

تفسیر القرآن

الحجرات

(۳)

لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اور حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ

۲۸؎ پھلی آیات میں اہل ایمان کو خطاب کر کے وہ ہدایات دی گئی تھیں جو مسلم معاشرے کو خرابیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ اب اس آیت میں پوری نوع انسانی کو خطاب کر کے اس عظیم گمراہی کی اصلاح کی گئی ہے جو دنیا میں ہمیشہ عالمگیر فساد کی موجب بنی رہی ہے، یعنی نسل، رنگ، وطن اور قومیت کا تعصب۔ قدیم ترین زمانے سے آج تک ہر دور میں انسان بالعموم انسانیت کو نظر انداز کر کے اپنے گرد کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچتا رہا ہے جن کے اندر پیدا ہونے والوں کو اس نے اپنا اور باہر پیدا ہونے والوں کو غیر قرار دیا ہے۔ یہ دائرے کسی عقلی اور اخلاقی بنیاد پر نہیں بلکہ اتفاقی پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں۔ کہیں ان کی بنا ایک خاندان، قبیلے یا نسل میں پیدا ہونا ہے، اور کہیں ایک جغرافی خطے میں یا ایک خاص رنگ رکھنے والی یا ایک خاص زبان بولنے والی قوم میں پیدا ہونا پھر ان بنیادوں پر اپنے اور غیر کی جو تمیز قائم کی گئی ہے وہ صرف اس حد تک محدود نہیں رہی ہے کہ جنہیں اس لحاظ سے اپنا قرار دیا گیا ہو ان کے ساتھ غیروں کی بہ نسبت زیادہ محبت اور زیادہ تعاون ہو، بلکہ اس تمیز نے نفرت، عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کی بدترین شکلیں اختیار کی ہیں۔ اس کے لیے فلسفے گھڑے گئے ہیں۔ مذہب ایجاد کیے گئے ہیں۔ قوانین بنائے گئے ہیں اخلاقی

اصولی وضع کیے گئے ہیں۔ قوموں اور سلطنتوں نے اس کو اپنا مستقل مسلک بنا کر صدیوں اس پر عمل درآمد کیا ہے۔ یہودیوں نے اسی بنا پر بنی اسرائیل کو خدا کی چیدہ مخلوق ٹھہرایا اور اپنے مذہبی احکام تک میں غیر اسرائیلیوں کے حقوق اور مرتبے کو اسرائیلیوں سے فروتر رکھا۔ ہندوؤں کے ہاں ورن آشرم کو اسی تمیز نے جنم دیا جس کی رو سے برہمنوں کی برتری قائم کی گئی، اونچی ذات والوں کے مقابلے میں تمام انسان نیچ اور ناپاک ٹھہرائے گئے، اور شودروں کو اتہائی ذات کے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ کالے اور گورے کی تمیز نے افریقہ اور امریکہ میں سیاہ عام لوگوں پر جو ظلم ڈھائے ان کو تاریخ کے صفحات میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، آج اس بیسویں صدی ہی میں ہر شخص اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھ سکتا ہے۔ یورپ کے لوگوں نے براعظم امریکہ میں گھس کر ریڈ انڈین نسل کے ساتھ جو سلوک کیا اور ایشیا اور افریقہ کی کمزور قوموں پر اپنا تسلط قائم کر کے جو برتاؤ ان کے ساتھ کیا اس کی نتہ میں بھی یہی تصویر کار فرما رہا کہ اپنے وطن اور اپنی قوم کے حدود سے باہر سپدا ہونے والوں کی جان مال اور آبرو ان پر مباح ہے اور انہیں حتی پہنچتا ہے کہ ان کو ٹوٹیں، غلام بنا لیں، اور ضرورت پڑے تو صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ مغربی اقوام کی قوم پرستی نے ایک قوم کو دوسری قوموں کے لیے جس طرح زندہ بنا کر رکھ دیا ہے اس کی بدترین مثالیں زمانہ قریب کی ٹرائیوں میں دیکھی جا چکی ہیں اور آج دیکھی جا رہی ہیں خصوصیت کے ساتھ نازی جرمنی کا فلسفہ نسلیت اور نازک نسل کی بزرگی کا تصور پھیلی جنگ عظیم میں جو کوششے دکھا چکا ہے انہیں نگاہ میں رکھا جائے تو آدمی باسانی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ وہ کتنی عظیم اور تباہ کن گمراہی ہے جس کی اصلاح کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے تین نہایت اہم اصولی

حقیقتیں بیان فرمائی ہیں :

ایک یہ کہ تم سب کی اصل ایک ہے، ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے تمہاری پوری

نوع وجود میں آئی ہے، اور آج تمہاری جننی نسلیں بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ درحقیقت ایک

ابتدائی نسل کی شاخیں ہیں جو ایک ماں اور ایک باپ سے شروع ہوئی تھی۔ اس سلسلہ تخلیق میں کسی جگہ بھی اُس تفرقے اور اوپنچ نیچ کے لیے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے جس کے زعم باطل میں تم متبلا ہو۔ ایک ہی خدا تمہارا خالق ہے، ایسا نہیں ہے کہ مختلف انسانوں کو مختلف خداؤں نے پیدا کیا ہو۔ ایک ہی مادہ تخلیق سے تم بنے ہو، ایسا بھی نہیں ہے کہ کچھ انسان کسی پاک یا بڑھیا مادے سے بنے ہوں اور کچھ دوسرے انسان کسی ناپاک یا گھٹیا مادے سے بن گئے ہوں۔ ایک ہی طریقے سے تم پیدا ہوئے ہو، یہ بھی نہیں ہے کہ مختلف انسانوں کے طریقے پیدائش الگ الگ ہوں۔ اور ایک ہی ماں باپ کی تم اولاد ہو، یہ بھی نہیں ہو ہے کہ ابتدائی انسانی جوڑے بہت سے رہے ہوں جن سے دنیا کے مختلف خطوں کی آبادیاں الگ الگ پیدا ہوئی ہوں۔

دوسرے یہ کہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہونے کے باوجود تمہارا قوموں اور قبیلوں میں تقسیم ہو جانا ایک فطری امر تھا۔ ظاہر ہے کہ پوری روئے زمین پر سارے انسانوں کا ایک ہی خاندان تو نہیں ہو سکتا تھا۔ نسل بڑھنے کے ساتھ ناگزیر تھا کہ بے شمار خاندان بنیں اور پھر خاندانوں سے قبائل اور اقوام وجود میں آجائیں۔ اسی طرح زمین کے مختلف خطوں میں آباد ہونے کے بعد رنگ خدیخال، زبانیں اور طرز بود و ماند بھی لامحالہ مختلف ہی ہو جانے تھے، اور ایک خطے کے رہنے والوں کو باہم قریب تر اور دور دراز خطوں کے رہنے والوں کو بعید تر ہی ہوتا تھا۔ مگر اس فطری فرق و اختلاف کا تعاضبہ ہرگز نہ تھا کہ اس کی بنیاد پر اوپنچ اور نیچ، شریف اور کمین، برتر اور کمتر کے امتیازات قائم کیے جائیں، ایک نسل دوسری نسل پر اپنی فضیلت جتائے، ایک رنگ کے لوگ دوسرے رنگ کے لوگوں کو ذلیل و حقیر جانیں، ایک قوم دوسری قوم پر اپنا تفوق جھٹے اور انسانی حقوق میں ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ترجیح حاصل ہو۔ خالق نے جس وجہ سے انسانی گروہوں کو اقوام اور قبائل کی شکل میں مرتب کیا تھا وہ صرف یہ تھی کہ ان کے درمیان باہمی تعارف اور تعاون کی فطری صورت یہی تھی۔ اسی طریقے سے ایک خاندان، ایک برادری، ایک قبیلے اور ایک قوم کے لوگ مل کر مشترک معاشرت بنا سکتے تھے اور زندگی کے معاملات میں ایک

دوسرے کے مددگار بن سکتے تھے۔ مگر یہ محض شیطانی جہالت تھی کہ جس چیز کو اللہ کی بنائی ہوئی فطرت نے تعارف کا ذریعہ بنایا تھا اُسے نفاخر اور نافر کا ذریعہ بنا لیا گیا اور پھر نوبت ظلم و عدوان تک پہنچی دی گئی۔

تیسرے یہ کہ انسان اور انسان کے درمیان فضیلت اور برتری کی بنیاد اگر کوئی ہے اور ہو سکتی ہے تو وہ صرف اخلاقی فضیلت ہے۔ پیدائش کے اعتبار سے تمام انسان یکساں ہیں۔ کیونکہ ان کا پیدا کرنے والا ایک ہے، ان کا مادہ پیدائش اور طریق پیدائش ایک ہی ہے، اور ان سب کا نسب ایک ہی ماں باپ تک پہنچتا ہے۔ علاوہ بریں کسی شخص کا کسی خاص ملک قوم یا برادری میں پیدا ہونا ایک اتفاقی امر ہے جس میں اُس کے اپنے ارادہ و انتخاب اور اس کی اپنی سعی و کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کوئی معقول وجہ نہیں کہ اس لحاظ سے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل ہو۔ اصل چیز جس کی بنا پر ایک شخص کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ دوسروں سے بڑھ کر خدا سے ڈرنے والا، برائیوں سے بچنے والا، اور نیکی و پاکیزگی کی راہ پر چلنے والا ہو۔ ایسا آدمی خواہ کسی نسل، کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتا ہو۔ اپنی ذاتی خوبی کی بنا پر قابل قدر ہے۔ اور جس کا حال اس کے برعکس ہو وہ بہر حال ایک کمتر درجے کا انسان ہے چاہے وہ کالا ہو یا گورا، مشرق میں پیدا ہوا ہو یا مغرب میں۔

یہی حقائق جو قرآن کی ایک مختصر سی آیت میں بیان کیے گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے مختلف خطبات اور ارشادات میں زیادہ کھول کر بیان فرمایا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر طوافِ کعبہ کے بعد آپ نے جو تقریر فرمائی تھی اس میں فرمایا:

شکر ہے اُس خدا کا جس نے تم سے جاہلیت کا عیب اور اس کا کبر و دور کر دیا۔ لوگو، تمام انسان بس دو ہی حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک نیک اور پرہیزگار، جو اللہ کی نگاہ میں عزت

الحمد لله الذي اذهب عنكم عيبة الجاهلية وتكبرها۔ يا ايها الناس الناس رحلان، يرتقى كريم على الله، وفا جز شقى هين على الله۔ الناس

کلم بنوا آدم، وخلق الله آدم من
تراب۔ رَبِّئِنِّي نِي شَعْبِ الْاِيْمَانِ - نَزِيدِي.

والا ہے۔ دوسرا فاجر اور شقی جو اللہ کی نگاہ میں
ذلیل ہے۔ ورنہ سارے انسان آدم کی اولاد
میں اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر ایام تشریق کے وسط میں اپنے ایک تقریر کی اور اس میں فرمایا:

لوگو، خبردار رہو، تم سب کا خدا ایک ہے۔

کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر اور

کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے

پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے مگر تقویٰ کے

اعتبار سے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ

عزت والوہ ہے جو سب سے زیادہ

پرہیزگار ہو۔ تباؤ، میں نے تمہیں

بات پہنچا دی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ

فرمایا، اچھا تو جو موجود ہے وہ ان

لوگوں تک یہ بات پہنچا دے جو موجود نہیں ہیں۔

تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے

گئے تھے۔ لوگ اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا چھوڑیں

ورنہ وہ اللہ کی نگاہ میں ایک حقیر کڑے سے

زیادہ ذلیل ہونگے۔

اللہ قیامت کے روز تمہارا حسب نسب نہیں پوچھگا

ان الله اتقاكم۔ الاهل بلغت؟

قالوا بلى يا رسول الله، قال

فليبلغ الشاهد الغائب۔

رَبِّئِنِّي

يا ايها الناس، الا ان ربكم واحد

لا فضل لعربي على عجمي والالعجمي على

عربي ولا لاسود على احمر ولا لاحمر

على اسود الا بالتقوى. ان اكرمكم

عند الله اتقاكم۔ الاهل بلغت؟

قالوا بلى يا رسول الله، قال

فليبلغ الشاهد الغائب۔

رَبِّئِنِّي

ايك حديث میں آپ کا ارشاد ہے

كلكم بنوا آدم وادم خلق من

تراب، ولينتهين قوم يفتخرون

يا بائهم اوليكون اهنون على الله

من الجحلات رتبار،

ايك اور حديث میں آپ نے فرمایا:

ان الله لا يبيد لكم عن احسابكم

۲۱

ولاعن انسابکم یوم القیمة، ان اکوکم
عند الله اتفاکم (ابن جریر)

اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو
سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ان الله لا ینظر الی صوۃکم و

اموالکم و لکن ینظر الی قلوبکم و

اعمالکم (مسلم - ابن ماجہ)

اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا

بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کی

طرف دیکھتا ہے۔

یہ تعلیمات صرف الفاظ کی حد تک ہی محدود نہیں رہی ہیں بلکہ اسلام نے ان کے مطابق اس

ایمان کی ایک عالمگیر برادری عملاً قائم کر کے دکھادی ہے جس میں رنگ، نسل، زبان، وطن اور قومیت

کی کوئی تمیز نہیں، جس میں اونچ نیچ اور چھوٹ چھات اور تفریق و تعصب کا کوئی تصور نہیں، جس میں

شرکاء ہونے والے تمام انسان خواہ وہ کسی نسل و قوم اور ملک و وطن سے تعلق رکھتے ہوں باہم

مساویانہ حقوق کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں۔ اسلام کے مخالفین تک کو یہ تسلیم کرنا

پڑا ہے کہ انسانی مساوات اور وحدت کے اصول کو جس کامیابی کے ساتھ مسلم معاشرے میں عملی

شکل دی گئی ہے اس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی دین اور کسی نظام میں نہیں پائی جاتی نہ کبھی پائی گئی ہے۔

صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے روئے زمین کے تمام گوشوں میں پھیلی ہوئی بے شمار نسلیں اور

قوموں کو ملا کر ایک امت بنا دیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک غلط فہمی کو رفع کر دینا بھی ضروری ہے۔ شادی بیاہ کے معاملہ میں

اسلامی قانون کفو کو جو اہمیت دیتا ہے اس کو بعض لوگ اس معنی میں لیتے ہیں کہ کچھ برادریاں

شریف اور کچھ کمین ہیں اور ان کے درمیان مناکحت قابل اعتراض ہے لیکن دراصل یہ ایک غلط

خیال ہے۔ اسلامی قانون کی رو سے ہر مسلمان مرد کا ہر مسلمان عورت سے نکاح ہو سکتا ہے، مگر

ازواجی زندگی کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ زوجین کے درمیان عادات، خصائل، طرز زندگی

خاندانی روایات اور معاشی و معاشرتی حالات میں زیادہ سے زیادہ مطابقت ہو تاکہ وہ ایک دوسرے

جاننے والا اور باخبر ہے۔^{۲۹}

یہ بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ ان سے کہو، تم ایمان نہیں لائے، بلکہ یوں کہو کہ

کے ساتھ اچھی طرح نباہ کر سکیں۔ یہی کفایت کا اصل مقصد ہے۔ جہاں مرد اور عورت کے درمیان اس لحاظ سے بہت زیادہ بُعد ہو وہاں عمر بھر کی رفاقت بچھ جانے کی کم ہی توقع ہو سکتی ہے، اس لیے اسلامی قانون ایسے جوڑ لگانے کو ناپسند کرتا ہے، نہ اس بنا پر کہ فریقین میں سے ایک شریف اور دوسرا کمین ہے، بلکہ اس بنا پر کہ حالات میں زیادہ تین فرق و اختلاف ہو تو شادی بیاہ کا تعلق قائم کرنے میں ازواجی زندگیوں کے ناکام ہو جانے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔

^{۳۰} یعنی یہ بات اللہ ہی جانتا ہے کہ کون فی الواقع ایک اعلیٰ درجہ کا انسان ہے اور کون اوصاف کے لحاظ سے ادنیٰ درجے کا ہے۔ لوگوں نے بطور خود اعلیٰ اور ادنیٰ کے جو معیار بنا رکھے ہیں یہ اللہ کے ہاں چلنے والے نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جس کو دنیا میں بہت بلند مرتبے کا آدمی سمجھا گیا ہو وہ اللہ کے آخری فیصلے میں کم ترین خلائق قرار پائے، اور ہو سکتا ہے کہ جو یہاں بہت حقیر سمجھا گیا ہو وہ وہاں بڑا اونچا مرتبہ پائے۔ اصل اہمیت دنیا کی عزت و ذلت کی نہیں بلکہ اُس ذلت و عزت کی ہے جو خدا کے ہاں کسی کو نصیب ہو۔ اس لیے انسان کو ساری فکر اس امر کی ہونی چاہیے کہ وہ اپنے اندر وہ حقیقی اوصاف پیدا کرے جو اسے اللہ کی نگاہ میں عزت کے لائق بنا سکتے ہوں۔

^{۳۱} اس سے مراد تمام بدوی نہیں ہیں بلکہ یہاں ذکر چند خاص بدوی گروہوں کا ہو رہا ہے جو اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر محض اس خیال سے مسلمان ہو گئے تھے کہ وہ مسلمانوں کی ضرب سے محفوظ بھی رہیں گے اور اسلامی فتوحات کے فوائد سے متمتع بھی ہوں گے۔ یہ لوگ حقیقت میں سچے دل سے ایمان نہیں لائے تھے، محض زبانی اقرار ایمان کر کے انہوں نے مصلحت اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کر لیا تھا۔ اور ان کی اس یاطنی حالت کا راز اُس وقت فاش ہو جاتا تھا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر طرح طرح کے مطالبے کرتے تھے اور اپنا حق اس طرح جتانے لگتے کہ گویا انہوں نے اسلام قبول کر کے آپ پر بڑا احسان کیا ہے۔ روایات میں متعدد قبائلی گروہوں کے اس

ہم مطیع ہو گئے۔ ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔ اگر تم اللہ اور اس کے روتے کا ذکر آیا ہے، مثلاً مزینہ، جہینہ، اسلم، اشح، غفار وغیرہ۔ خاص طور پر بنی اسد بن خزیمہ کے متعلق ابن عباس اور سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ خشک سالی کے زمانہ میں وہ مدینہ آئے اور مالی مدد کا مطالبہ کرتے ہوئے بار بار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ”ہم بغیر لڑے بھڑے مسلمان ہوتے ہیں، ہم نے آپ سے اُس طرح جنگ نہیں کی جس طرح فلاں اور فلاں قبیلوں نے جنگ کی ہے۔“ اس سے اُن کا صاف مطلب یہ تھا کہ اللہ کے رسول سے جنگ کرنا اور اسلام قبول کر لینا ان کا ایک احسان ہے جس کا معاوضہ انہیں رسول اور اہل ایمان سے ملنا چاہیے۔ اطرافِ مدینہ کے بدوی گروہوں کا یہی وہ طرزِ عمل ہے جس پر ان آیات میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس تبصرے کے ساتھ سورہ توبہ آیات ۹ تا ۱۱، اور سورہ فتح آیات ۱۱ تا ۱۷ کو ملا کر پڑھا جائے تو بات زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔

اسمہ اصل میں قَوْلُوا اسَلَمْنَا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کا دوسرا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”ہم مسلمان ہو گئے ہیں“۔ ان الفاظ سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکال لیا ہے کہ قرآن مجید کی زبان میں ”مومن“ اور ”مسلم“ دو متقابل اصطلاحیں ہیں، مومن وہ ہے جو سچے دل سے ایمان لایا ہو اور مسلم وہ ہے جس نے ایمان کے بغیر محض ظاہر میں اسلام قبول کر لیا ہو۔ لیکن درحقیقت خیال بالکل غلط ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس جگہ ایمان کا لفظ قلبی تصدیق کے لیے اور اسلام کا لفظ محض ظاہری اطاعت کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مگر یہ سمجھ لینا صحیح نہیں ہے کہ یہ قرآن مجید کی دو مستقل اور باہم متقابل اصطلاحیں ہیں۔ قرآن کی جن آیات میں اسلام اور مسلم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کا تتبع کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کی اصطلاح میں ”اسلام“ اس دینِ حق کا نام ہے جو اللہ نے نوعِ انسانی کے لیے نازل کیا ہے، اس کے مفہوم میں ایمان اور اطاعتِ امر دونوں شامل ہیں، اور ”مسلم“ وہ ہے جو سچے دل سے مانے اور عملاً اطاعت کرے۔ مثال کے طور پر حسب ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران ۱۹)
 وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِينًا
 فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران ۸۵)
 وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا
 (المائدہ ۳)

یقیناً اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے
 اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے اس کا
 وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔
 اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت
 سے پسند کیا ہے۔

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهَ اَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ
 صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ - (الانعام ۱۲۵)

اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ
 اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان آیات میں اسلام سے مراد اطاعت بلا ایمان نہیں ہے۔ پھر دیکھیے جبکہ
 اس مضمون کی آیات آتی ہیں:

قُلْ اِنِّيْ اٰمَرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ
 اَسْلَمَ (الانعام ۱۴)

اے نبی کہو مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے اسلام
 لانے والا میں ہوں۔

فَاِنْ اَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا (آل عمران ۲۰)
 يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوا
 (المائدہ ۴۴)

پھر اگر وہ اسلام لے آئیں تو انہوں نے ہدایت پائی۔
 تمام انبیاء جو اسلام لائے تھے تو رات کے مطابق
 فیصلے کرتے تھے۔

کیا یہاں اور اس طرح کے بیسیوں دوسرے مقامات پر اسلام قبول کرنے یا اسلام لانے کا
 مطلب ایمان کے بغیر اطاعت اختیار کر لینا ہے؟ اسی طرح "مسلم" کا لفظ بار بار جس معنی میں استعمال
 ہوا ہے اس کے لیے نمونے کے طور پر حسب ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ
 تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوْنِ الْاَوْاْتِمِلُوْنَ
 (آل عمران ۱۰۲)

اے لوگو جو ایمان لاتے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا
 اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے
 مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔

هُوَ سَمُّكُمْ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلِ وَا

رسول کی فرمانبرداری اختیار کر لو تو وہ تمہارے اعمال کے اجر میں کوئی کمی نہ کرے گا، یقیناً اللہ بڑا اور گذر کرنے والا اور رحیم ہے حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی سچے لوگ ہیں۔

اے نبی، ان مدعیانِ ایمان سے کہو، کیا تم اللہ کو اپنے دین کی اطلاع دے رہے ہو؟ حالانکہ اللہ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کو جانتا ہے اور وہ ہر شے کا علم رکھتا ہے۔ یہ لوگ تم پر احسان جانتے ہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان سے کہو اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر اپنا احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی ہدایت دی اگر تم واقعی اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو۔ اللہ زمین اور آسمانوں کی ہر پوشیدہ چیز کا علم رکھتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اس کی نگاہ میں ہے۔

ع۲

میں بھی۔	قَدْ هَذَا (الحج - ۷۸)
ابراہیم نہ یہودی تھا نہ نصرانی، بلکہ وہ ایک سچے مسلم تھا۔	مَا كَانَ اِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا رَّآلِ عَمْرَانَ - ۶۷
تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم و اسماعیل کی نوا، اُسے ہمارے رب، اور ہم دونوں کو اپنا مسلم بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی امت پیدا کر جو تیری مسلم ہو۔	رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَكَ (البقرہ - ۱۲۸)
حضرت یعقوب کی وصیت اپنی نوا کو، اے میرے بچو، اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے پس تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔	يُنَبِّئُكَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكَمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُونَ - (البقرہ - ۱۳۲)
ان آیات کو پڑھ کر آخر کون یہ خیال کر سکتا ہے کہ ان میں مسلم سے مراد وہ شخص ہے جو دل سے نہ	

مانے، بس ظاہری طور پر اسلام قبول کرے؟ اس لیے یہ دعویٰ کرنا قطعی غلط ہے کہ قرآن کی اصطلاح میں اسلام سے مراد اطاعت بلا ایمان ہے اور مسلم قرآن کی زبان میں محض بظاہر اسلام قبول کر لینے والے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ دعویٰ کرنا بھی غلط ہے کہ ایمان اور مومن کے الفاظ قرآن مجید میں لازماً سچے دل سے ماننے ہی کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ بلاشبہ اکثر مقامات پر یہ الفاظ اسی مفہوم کے لیے آئے ہیں، لیکن بیشتر مقامات ایسے بھی ہیں جہاں یہ الفاظ ظاہری اقرار ایمان کے لیے بھی استعمال کیے گئے ہیں اور ان سب لوگوں کو نیا ایہا الذین آمنوا کہہ کر خطاب کیا گیا ہے جو مسلمانوں کے گروہ میں زبانی اقرار کر کے شامل ہوئے ہوں قطع نظر اس سے کہ وہ سچے مومن ہوں یا ضعیف الایمان، یا محض منافق۔ اس کی بہت سی مثالوں میں سے صرف چند کے لیے ملاحظہ ہو۔

آل عمران، آیت ۱۵۶، النساء، ۱۳۶۔ المائدہ، ۵۴۔ الانفال، ۲۰۔ الانفال، ۲۴۔ التوبہ، ۳۸۔

الحجید، ۲۸۔ الصف، ۲۰۔